رسائل و مسائل

"پردہ" پر تنقیدی نظر

(از جناب مولانا امین احسن صاحب اصلاحی)

ادھر ترجمان القرآن کے کئی نمبروں میں، پردہ پر جو عالمانہ مقالہ آپ نے لکھا ہے، اس پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ جو لوگ غرور جہل کی وجہ سے اس بارہ میں اسلامی قوانین و احکام کا مضحکہ اڑا رہے تھے، اُن پر آپ نے تمام علمائے اسلام کی طرف سے حجت تمام کر دی، جسکے لیے آپ تمام مذہبی حمیت رکھنے والے مسلمانوں کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

مضمون کی جو قسط ترجمان القرآن جلد ۱۶ - عدد ۲ میں شائع ہوئی ہے وہ میرے سامنے ہے۔ اس میں "پردہ کے احکام" کے عنوان سے جو فصل آپ نے لکھی ہے، اسکو میں نے خاص اہتمام سے پڑھا۔ میرے خیال میں یہ فصل کتاب کی اصلی فصل ہے اور خلاصۂ مباحث کی حیثیت رکھتی ہے۔ مجھکو افسوس ہے کہ میں اس فصل سے مطمئن نہیں ہوا۔ اور مجھے اندیشہ ہے کہ شاید میری طرح اور بہت سے لوگ بھی اس میں اضطراب محسوس کرینگے۔ اس لیے میں نے چاہا کہ آپ کو اس کی طرف توجہ دلاؤں تاکہ مضمون کو مصورت کتاب چھاپتے وقت، اگر آپ ضرورت محسوس کریں، اس بحث کو اور زیادہ صاف کر دیں اور اگر اس عریضہ کو رسالہ میں قابل بحث و نظر خیال فرمائیں تو مجھکو اس پر بھی کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

آپ نے اس فصل میں سورۂ نور اور سورۂ احزاب کی آیات متعلق پردہ نقل کرنے کے بعد ان کے نتائج سے بحث کی ہے اور آخر میں الا ما ظهر منها کی تاویل میں علماء و فقہا کے اختلافات نقل

کرنے کے بعد آپ لکھتے ہیں :-

"الا ما ظہر منہا کو ان میں سے کسی چیز کے ساتھ بھی مقید نہ کیجیے - ایک مومن عورت جو خدا اور رسول کے احکام کی سچے دل سے پابند رہنا چاہتی ہے اور جسکو فتنے میں مبتلا ہونا منظور نہیں ہو وہ خود اپنے حالات و ضروریات کے لحاظ سے فیصلہ کر سکتی ہے کہ چہرہ اور ہاتھ کھولے یا نہیں، کب کھولے اور کب نہ کھولے، کس حد تک کھولے اور کس حد تک چھپائے - اس باب میں قطعی احکام نہ شارع نے دیے ہیں، نہ اختلافِ احوال و ضروریات کو دیکھتے ہوئے یہ مقتضائے حکمت ہے کہ قطعی احکام وضع کیے جائیں - جو عورت اپنی حاجات کے لیے باہر جانے اور کام کاج کرنے پر مجبور ہے اسکو کسی وقت ہاتھ بھی کھولنے کی ضرورت پیش آئیگی اور چہرہ بھی - ایسی عورت کے لیے بلحاظ ضرورت اجازت ہے اور جس عورت کا حال یہ نہیں ہے اس کے لیے بلا ضرورت قصداً کھولنا درست نہیں"

(ترجمان القرآن ص ۱۴۰)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ الا ما ظہر منہا کے استثناء میں چہرہ کو داخل سمجھتے ہیں اور ضرورت کے وقت چہرہ کھولنے اور نہ کھولنے اور اوقات ضرورت کی تعیین اور کھولنے کی مقدار سے متعلق شارع نے، آپکے خیال میں، قطعی احکام نہیں دیے ہیں - اور نہ حالات و ضروریات کے اختلاف کو دیکھتے ہوئے اس بارہ میں قطعی احکام کا وضع کرنا، آپکے نزدیک مقتضائے حکمت تھا - آپکے نزدیک اس باب میں اصلی قاضی و مفتی خود مومنہ عورت کی صواب دید ہے - وہ اپنے حالات و ضروریات کے لحاظ سے فیصلہ کر سکتی ہے کہ چہرہ اور ہاتھ کھولے یا نہیں، کب کھولے اور کب نہ کھولے، کس حد تک کھولے اور کس حد تک چھپائے -

اس کے بعد آپ "حالات سے قطع نظر کرکے" نفس چہرہ کا حکم بیان کرتے ہیں اور سورۂ احزاب کی آیت ویدنین علیہن الآیہ کے احکام بیان کرتے ہوئے چہرہ کی فتنہ سامانیوں کا ذکر ان لفظوں

میں فرماتے ہیں :-

"جو شخص اسلامی قانون کے مقاصد کو سمجھتا ہے اور اسکے ساتھ کچھ عقل عام بھی رکھتا ہے اس کے لیے یہ سمجھنا کچھ بھی مشکل نہیں کہ عورتوں کو کھلے چہروں کے ساتھ باہر پھرنے کی عام اجازت دینا اُن مقاصد کے بالکل خلاف ہے جنکو اسلام اسقدر اہمیت دے رہا ہے۔ ایک انسان کو دوسرے انسان کی جو چیز سب سے زیادہ متاثر کرتی ہے وہ اس کا چہرہ ہی تو ہے۔ انسان کی خلقی و پیدائشی زینت یا دوسرے الفاظ میں انسانی حسن کا سب سے بڑا مظہر چہرہ ہے۔ نگاہوں کو سب سے زیادہ وہی کھینچتا ہے۔ جذبات کو سب سے زیادہ وہی اپیل کرتا ہے۔ صنفی جذب و انجذاب کا سب سے زیادہ قوی ایجنٹ وہی ہے ..... اگر اصل مقصد اسی طوفان کو روکنا ہو تو اس سے زیادہ خلاف حکمت اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ اس کو روکنے کے لیے چھوٹے چھوٹے دروازوں پر تو کنڈیاں چڑھائی جائیں اور سب سے بڑے دروازے کو چوپٹ کھلا چھوڑ دیا جائے۔" (ترجمان القرآن)

ان دونوں عبارتوں پر غور فرمائیے کہ ایک طالب علم ان میں کیسے توازن پیدا کر سکیگا! ایک طرف تو آپ کے نزدیک چہرہ کی یہ اہمیت ہے کہ سارے فتنے گویا اسی کے دم قدم سے ہیں اور آپ بجا طور پر اسکو بالکل خلاف حکمت سمجھتے ہیں کہ "فتنہ کے چھوٹے چھوٹے دروازوں پر تو کنڈیاں چڑھائی جائیں اور اس سب سے بڑے دروازہ کو چوپٹ کھلا چھوڑ دیا جائے۔" دوسری طرف آپ فرماتے ہیں کہ یہ سوال کہ چہرہ کب کھولا جائے، کتنا کھولا جائے، کھولا جائے یا نہ کھولا جائے، شارع کے حدود حکم و قضا سے باہر ہے۔ ان کے متعلق فیصلہ کرنے والی ذات خود عورت ہے۔ اگر شارع اسکے متعلق قوانین وضع کرتا تو یہ بات مقتضائے حکمت کے خلاف ہوتی۔ یہ دونوں باتیں ایک ساتھ کسی طرح میری سمجھ میں نہیں آئیں۔ چہرہ اگر اس درجہ اہم چیز ہے تو اسکے متعلق صاف اور واضح، محدود و متعین احکام دین میں ہونے چاہییں۔ اس کے کھولنے کے اوقات معلوم ہونے چاہییں۔ ایسے اہم مسئلہ کا انحصار صرف عورت کی ذات پر (درانحالیکہ اس معاملہ میں عورت کی دیانت داری ہمیشہ مشتبہ رہیگی اور ویسے بھی شریعت نے اس قسم کے معاملات میں

کبھی عورت کی قوت فیصلہ پر اعتماد نہیں کیا ہے) کسی طرح بھی قرین حکمت نہیں ہے۔ اور اگر سچ مچ معاملہ کی نوعیت یہی ہے جو آپ کے مضمون سے معلوم ہوتی ہے تو پردہ کے معاملہ میں زیادہ طوفان اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ضروریات کا دامن بہت وسیع ہے۔ آج جو کچھ ہو رہا ہے اور کل جو کچھ ہوگا وہ سب اس کے تحت میں آجائے گا۔[1]

[1] یہ بات اگر کسی غیر فقیہ آدمی نے لکھی ہوتی تو چنداں تعجب نہ ہوتا، مگر فاضل تنقید نگار کے متعلق میرا گمان ہو کہ وہ تفقہ سے کافی بہرہ رکھتے ہیں اسلیے مجھے ان سے یہ اعتراض سن کر فی الواقع سخت تعجب ہوا۔ انہوں نے اس بات پر غور نہیں فرمایا کہ قانون میں امر و نہی کے احکام ہمیشہ معمولی حالات کیلیے دیے جاتے ہیں اور غیر معمولی حالات کے لیے استثنار کی جو صورت رکھی جاتی ہے وہ عموماً مجمل ہوتی ہے۔ چونکہ غیر معمولی حالات کا تعلق ایک ایک فرد کی زندگی کے جزوی مواقع سے ہوتا ہے اسلیے تفصیل کیساتھ تمام ممکن جزئیات کو منضبط کرنا اور ہر ایک موقع کے لیے علیحدہ حکم دینا محال ہے۔ ایسے مواقع پر اس بات کا فیصلہ کہ آیا یہ غیر معمولی موقع ہے یا نہیں، اور اس میں قانون کے استثنار سے فائدہ اٹھانا چاہیے یا نہیں، اور کس حد تک اٹھانا چاہیے، اسکا انحصار زیادہ تر خود اس شخص کی رائے پر ہوتا ہے جو اس حالت میں ہو۔ اگر وہ نیک نیت آدمی ہو، دل سے قانون کی پابندی کرنا چاہتا ہے، نافرمانی و قانون شکنی کی طرف میلان نہیں رکھتا، اور قانون کی اسپرٹ کو بھی سمجھتا ہو تو وہ صحیح رائے قائم کریگا، اور اگر اسکا یہ حال نہیں ہے تو قانون کے استثنار سے غلط فائدہ اٹھائیگا۔ مثال کے طور پر قرآن میں کھانے کی بعض چیزوں کو حرام قرار دینے کے بعد فرمایا کہ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ۔ دیکھیے یہ استثنائی حکم کسقدر مجمل ہے۔ اضطرار کی تمام ممکن صورتوں کو بیان نہیں کیا گیا۔ نہ اضطرار کے درجات متعین کیے گئے۔ نہ یہ بتایا گیا کہ کس قسم کے اور کسقدر درجہ کے اضطرار میں ان چیزوں کا کتنا کتنا استعمال جائز ہوگا۔ ان ساری تفصیلات کو چھوڑ کر صرف اتنا کہہ دیا کہ "اگر کوئی شخص مجبوری کی حالت میں کچھ کھالے بشرطیکہ اس کے اندر قانون شکنی کی خواہش نہ ہو اور وہ حد سے تجاوز نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں"۔ یہاں فرد مومن کو (جس میں مومنہ عورتیں بھی شامل ہیں) آپ ہی اپنا محتسب بنا کر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اگر وہ باغی نہیں ہے بلکہ سچے دل سے اللہ کا مطیع ہے تو وہ خود ہی یہ فیصلہ کریگا کہ جس حالت میں مبتلا ہوں یہ اضطرار کی حالت ہے یا نہیں، اضطرار ہے تو کس حد تک ہے اور مجھے اس حالت میں حرام چیز کس حد تک کھانی چاہیے کہ عدوان کا مجرم نہ ہو جاؤں۔ آپ غالباً یہاں بھی یہی فرمائینگے کہ کھانے پینے کے معاملہ میں تو آدمی کی دیانت ہمیشہ مشتبہ رہی ہے، اسکی رائے پر اس معاملہ کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۹ پر دیکھیے)

آخر میں آپ نے اس کھٹک کو دور کرنے اور اپنے خیالات کو مربوط کرنے کی جو سعی فرمائی ہے۔ مجھے اس سے بھی اختلاف ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"اب آپ سوال کر سکتے ہیں کہ جب ایسا ہے تو اسلام نے حاجات و ضروریات کیلیے چہرہ کھولنے کی اجازت کیوں دی، جیسا کہ تم خود پہلے بیان کر چکے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کا قانون کوئی غیر معتدل اور یک رخا قانون نہیں ہے۔ وہ ایک طرف مصالح اخلاقی کا لحاظ کرتا ہے تو دوسری طرف انسانی ضروریات کا بھی لحاظ کرتا ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان اس نے غایت درجہ کا تناسب اور توازن قائم کیا ہے۔ وہ اخلاقی فتنوں کا سدباب بھی کرنا چاہتا ہے اور اسکے ساتھ کسی انسان پر ایسی پابندیاں بھی عائد نہیں کرنا چاہتا جنکے باعث وہ اپنی حقیقی ضروریات کو پورا نہ کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے عورت کے لیے چہرہ اور ہاتھ کے باب میں ویسے قطعی احکام نہیں دیے جیسے ستر پوشی اور اخفائے زینت کے باب میں دیے ہیں کیونکہ ستر پوشی اور اخفائے زینت سے ضروریات زندگی کو پورا کرنے میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا تھا مگر چہرے اور ہاتھوں کو دائما چھپائے رہنے سے عورتوں کو اپنی حاجات میں سخت مشکل پیش آسکتی ہے۔ پس عورتوں کے لیے عام قاعدہ یہ مقرر کیا گیا ہے کہ چہرے پر نقاب یا گھونگھٹ ڈالے رہیں اور اس قاعدہ میں الا ما ظہر منہا کے استثناء سے یہ آسانی پیدا کر دی گئی

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷۸) چھوڑنا ٹھیک نہیں، اسکے متعلق تو دین میں واضح اور متعین احکام ہونے چاہییں۔ نیز شاید آپ یہ بھی فرمائیں کہ اگر یونہی اضطرار کے بہانے سے وہ سب کچھ کھانے پینے کی اجازت دیدینی تھی جسے حرام کیا گیا ہے تو یہ حرمت و حلت کا طوفان اٹھانے کی ضرورت ہی کیا تھی، مجبوریوں کا دامن تو اتنا وسیع ہے کہ جو کچھ آدمی کھانا یا پینا چاہے اسکے لیے مجبوری کا بہانہ پیدا کر سکتا ہے۔ لیکن آپ اسکا کیا علاج کریں گے کہ شارع نے قریب قریب اپنے تمام احکام میں یہی روش اختیار کی ہے۔ اس نے یہ شریعت ان لوگوں کے لیے نہیں بنائی ہے جو قانون کو توڑنے کی خواہش رکھتے ہوں اور دائرۂ اطاعت سے نکلنے کیلیے بہانے ڈھونڈتے ہوں۔ ایسے لوگوں کیلیے تو اسکے پاس صرف جہنم کی آگ ہی ہے۔ رہے اسکے احکام تو ان میں اس کا خطاب منافقین کی طرف نہیں بلکہ ان مردوں اور عورتوں کی طرف ہے جنکے اندر خدا کا خوف اور اطاعت کی آمادگی موجود ہو۔ اور ایسے مومنین و مومنات کی دیانت پر وہ نہ صرف اعتماد کرتا ہے بلکہ ان سے امید رکھتا ہے کہ استثنائی صورتوں میں وہ بہانہ طلبی کرنے کے بجائے حقیقی مجبوری کے مواقع پر بھی خدا سے ڈرتے ہوئے پھونک پھونک کر قدم رکھینگے۔ اسی لیے احکام دینے کے ساتھ ان کنتم مومنین اور ان اتقیتن وغیرہ کے الفاظ فرمائے جاتے ہیں۔

اور اسی اعتماد کی بنا پر نبی صلعم نے فرمایا کہ استفت قلبک (اپنے (۱۱۲) دل سے فتویٰ پوچھ) اور دع ما یریبک الی ما لا یریبک (جو چیز تجھے

ہے کہ حقیقت میں چہرہ کھولنے کی ضرورت پیش آجائے تو وہ اس کو کھول سکتی ہیں بشرطیکہ نمائش حسن مقصود نہ ہو، بلکہ رفع ضرورت مدنظر ہو۔ پھر دوسری جانب سے فتنہ انگیزی کے جو خطرات تھے ان کا سدباب اس طرح کیا گیا کہ مردوں کو غض بصر کا حکم دیدیا گیا تاکہ اگر کوئی عفت مآب عورت اپنی حاجت کے لیے چہرہ کھولے تو وہ اپنی نظریں نیچی کرلیں اور بیہودگی کیساتھ اسکو گھورنے سے باز رہیں۔" (ترجمان القرآن)

یہ عبارت بار بار پڑھنے کے باوجود سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ تسلیم ہے کہ اسلام کا قانون یک رخا اور غیر معتدل نہیں ہے اس نے اخلاقی مصالح اور انسانی ضروریات میں کمال درجہ توازن و تناسب ملحوظ رکھا ہے۔ لیکن اس کا کیا مطلب ہے کہ اس نے عورت کے لیے چہرے اور ہاتھ کے باب میں ویسے قطعی احکام نہیں دیے ہیں جیسے ستر پوشی اور اخفائے زینت کے باب میں دیے ہیں؟ چہرہ کے متعلق جو احکام ہیں انکے زور و قوت میں کوئی ضعف تو نہیں معلوم ہوتا! جس طرح زینت کے ابدار اور ستر کے مختلف مواضع کے اظہار کی ممانعت کی ہے اسی طرح چہرہ کے چھپانے سے متعلق بھی صریح نص موجود ہے۔ یاایھا النبی قل لازواجك وبناتك و نساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن۔ اور اس وسعت اور اہتمام کے ساتھ کہ اے نبی اپنی بیویوں، اپنی لڑکیوں اور تمام مسلمانوں کی عورتوں کو یہ حکم دیدو۔ اس حکم میں قطعیت اور احکام کا پورا زور پیدا کرنے کے لیے کس شے کی کمی رہ گئی ہے؟ اور ستر و اخفائے زینت سے متعلق احکام میں وہ کن صورتوں میں موجود ہے اسکے متعلق قرآن میں نص صریح ہے، احادیث میں اسکے لیے امر و تاکید ہے، آٹھویں صدی تک کے مسلمانوں کا مجمع علیہ تفقہ اسکے متعلق آپ ہی نے نقل فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ "حالت احرام میں" باوجود ممانعت، ازواج مطہرات اور عام خواتین اسلام اپنے چہرہ کو چھپاتی تھیں، جسکے ثبوت میں حضرت عائشہ اور فاطمہ بنت منذر رضی اللہ عنہما کی روایتیں خود آپ کے مضمون میں موجود ہیں۔ اخفائے زینت اور ستر پوشی کے احکام میں اس سے زیادہ اور کیا ہے؟[1]

[1] یہاں پھر مجھے یہ عرض کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ احکام کو سمجھنے کے لیے صرف الفاظ کا علم کافی نہیں ہے بلکہ اسکے ساتھ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۱ پر دیکھیے)

دوسری بات آپنے اس سے بھی عجیب تر لکھدی ہے کہ "عورتوں کے لیے عام قاعدہ یہ مقرر کیا گیا ہے کہ چہرے پر نقاب یا گھونگھٹ ڈالے رہیں۔ اس قاعدہ میں الا ما ظہر منہا کے استثنار سے یہ آسانی پیدا کردی گئی ہے کہ حقیقت میں چہرہ کھولنے کی ضرورت پیش آجائے تو وہ اسکو کھول سکتی ہیں بشرطیکہ نمائش حسن مقصود نہ ہو"

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۰ :- تفقہ کی بھی ضرورت ہے۔ ایک فقیہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ ستر اور حجاب میں کیا فرق ہے اور اخفائے زینت اور ستر وجوہ کے درمیان کیا تفاوت ہے۔ ستر وہ چیز ہے جسکو شوہر کے سوا کسی کے سامنے بھی ظاہر کرنا جائز نہیں۔ مگر چہرے اور ہاتھ کی یہ نوعیت نہیں ہے، وہ محرموں کے سامنے کھلا رکھا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ستر کی اہمیت زیادہ ہے۔ اب زینت کو یعنی بن سنور کر غیروں کے سامنے آنا کسی حال میں بھی حقیقی ضرورت کی تعریف میں نہیں آسکتا۔ یہ صرف فاجرانہ ذہنیت ہی کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔ لہذا اسکے لیے نہی کے الفاظ استعمال فرمائے گئے (وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ الخ)، اور ہر شخص جو فقہ سے ذرا سا لگاؤ بھی رکھتا ہو، اس بات کو جانتا ہے کہ نہی بہ نسبت امر کے شدید تر چیز ہے۔ بخلاف اسکے عملی زندگی میں بسا اوقات چہرہ کھولنے کی حقیقی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ خدا کا قانون صرف خوشحال عورتوں ہی کے لیے نہیں ہے۔ مصیبت زدہ، بے کس اور غریب طبقہ کی عورتوں کے لیے بھی ہے۔ وہ ان ماماؤں کے لیے بھی ہے جو دوسروں کے گھروں میں خدمت کرنے پر مجبور ہیں، ان مزدورنیوں کے لیے بھی ہے جو ہاتھ پاؤں کی محنت کرکے پیٹ پالنے پر مجبور ہیں، اُن فربیوں کی بیویوں اور بیٹیوں کے لیے بھی ہے جنکو سر چھپانے کے لیے کوئی ٹھکانا میسر نہیں ہوتا اور جو کسی درخت کے سایہ ہی میں پڑ رہتے ہیں۔ ایسی عورتیں کہاں ہر وقت منہ چھپائے رہ سکتی ہیں؟ انہیں منہ کھولنے کی حقیقی ضرورت پیش آتی ہی ہے۔ اسی لیے شارع حکیم نے چہرے کے باب میں نہی کے الفاظ کے ساتھ حکم نہیں دیا۔ یہ نہیں فرمایا کہ چہرہ نہ کھولو، بلکہ امر کے الفاظ (يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ الخ) استعمال کیے۔ اس سے یہ بات صاف مترشح ہوتی ہے کہ اس معاملہ میں عام قاعدہ تو ستر و اخفا ہی کا ہے، حقیقی ضرورت پیش نہ ہو تو چھپانا لازم ہے، لیکن حقیقی ضرورت ہو تو ایک مومن عورت جو بدنیت نہیں ہے، خدا کا خوف رکھتی ہے، اپنے چہرے کے حسن کی نمائش اور غیر مردوں سے آنکھیں لڑانے کی خواہشمند نہیں ہے، اپنی ضرورت رفع کرنے کی حد تک کھول سکتی ہے، اور اس صورت میں مومن مردوں کا فرض ہے کہ غض بصر کریں۔ اسکی مثال میرے اپنے گھر میں موجود ہے۔ میرے ہاں جو حلال خوری ملازم ہے وہ ہمیشہ چہرے پر گھونگھٹ ڈال کر کام کرتی ہے۔ مگر بارہا اس بیچاری کو مجبور (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۲ پر دیکھیے)

یہ آپنے کہاں سے لکھدیا کہ چہرہ پر گھونگٹ یا نقاب کے عام قاعدہ میں الا ماظہر منہا کے استثناء سے آسانی پیدا کر دی گئی ہے۔ نقاب یا گھونگھٹ والی آیت سورۂ احزاب میں یوں ہے۔

یاایھا النبی قل لازواجك و بناتك و نساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذالك ادنی ان یعرفن فلا یوذین۔

اے پیغمبر اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہدو کہ اپنی چادروں کے گھونگھٹ نکال لیا کریں۔ اس سے اقرب ہے کہ پہچان لی جائیں اور چھیڑی نہ جائیں۔

اس آیت میں جو حکم ہے وہ بالکل مطلق اور عام ہے۔ اس میں نہ تو کوئی قید ہے نہ استثناء۔ الا ماظہر منہا والا استثنار سورہ نور والی آیت میں ہے جو ابداء زینت سے متعلق ہے۔ ولا یبدین زینتھن الا ماظہر منہا۔ اسکو احزاب کی آیت سے دور قریب کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر یہ کتنی عجیب بات ہے کہ مستثنیٰ منہ تو سورہ احزاب میں ہو اور مستثنیٰ سورہ نور میں۔ کشتی در چین و ملاح در فرنگ کی اس سے زیادہ دلچسپ مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔ معاف فرمایئے گا، اگر مسائل فقہیہ کے استنباط و اجتہاد کی یہ انوکھی راہ باز ہو گئی تو اسکے نتائج نہایت خوفناک ہونگے۔

اور تھوڑی دیر کے لیے اگر آپ کے اس طفرہ کو ممکن بھی فرض کر لیا جائے اور سورۂ نور کے الاماظہر کو سورہ احزاب کی آیت کے ساتھ جوڑ بھی دیا جائے جب بھی وہ مطلب کسی طرح نہیں نکل سکتا جو آپ نکالنا چاہتے

بقیہ حاشیہ صـ ۲۸۱ :- گھونگھٹ اٹھانا پڑتا ہے، اور میں ہمیشہ ایسے موقع پر غض بصر کرتا ہوں۔ اس کو میرے ہاں کام کرتے کئی مہینے ہو گئے ہیں، مگر آج تک میں نے اسکی صورت نہیں دیکھی حتیٰ کہ اگر کہیں گھر سے باہر مجھے اس کو دیکھنے کا اتفاق ہو تو میں اسے پہچان نہیں سکتا۔

میں نے ہر موقع پر "حقیقی ضرورت" کے الفاظ استعمال کیے ہیں، اور اسکی تصریح بھی اپنی کتاب میں کر چکا ہوں کہ حقیقی ضرورت سے مراد پارک میں ٹہلنے، یا سینما دیکھنے یا بازار میں شاپنگ کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ ضرورت ہے جو ایک عاجز عورت کو فی الواقع اپنی زندگی بسر کرنے کے لیے پیش آتی ہے جسکی چند مثالیں میں نے اوپر بیان کی ہیں۔ ا - م

ہیں۔ اس صورت میں آپکے خیال کے مطابق آیت یوں ہوگی۔ یاایھا النبی قل لازواجك وبناتك ونساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن الا ماظھر منھا۔ اے پیغمبر اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہدو کہ اپنے چہروں پر اپنی چادروں کا ایک حصہ ڈال لیا کریں مگر جو حصہ اس میں سے ظاہر ہو جائے۔ یہاں ھا کی ضمیر سے متعلق جو نحوی تشقیقات پیدا ہونگی میں اُن سے غض بصر کرتا ہوں اور آپکے ساتھ زیادہ سے زیادہ مسامحت کے لیے تیار ہوں لیکن غور فرمایئے کہ اس صورت میں بھی اس کا مطلب کیا ہوگا؟ ہر شخص جانتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ عورتیں اپنی چادروں سے اپنے چہروں پر گھونگھٹ ڈال لیا کریں اور اس احتیاط کے باوجود بھی اگر چہرہ کا کوئی حصہ اتفاق سے کہیں جھلک گیا یا کھلا رہ گیا تو وہ چنداں قابل اعتراض نہیں۔ اس سے یہ آسانی کہاں سے پیدا ہوئی کہ اگر حقیقت میں چہرہ کھولنے کی ضرورت پیش آجائے تو عورتیں اس کو کھول سکتی ہے؟ چہرہ کا کوئی حصہ اتفاق سے کھلا رہجانا اور چیز ہے اور اسکو بلحاظ ضرورت کھولنا اور چیز ہے۔ ان دونوں کا نمایاں فرق آپ جیسے آدمی سے مخفی نہیں رہنا چاہیے اور میں پورے اطمینان کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ الا ماظہر منہا کا یہ مطلب جو آپنے لیا ہے کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

آخر میں آپنے جو بات لکھی ہے، وہ پچھلے تمام عجائب پر بازی لے گئی ہے۔ آپ فرماتے ہیں "پھر دوسری جانب سے فتنہ انگیزی کے جو خطرات تھے ان کا سدباب اس طرح کیا گیا کہ مردوں کو غض بصر کا حکم دیدیا گیا تاکہ اگر کوئی عفت مآب عورت اپنی حاجت کے لیے چہرہ کھولے تو وہ اپنی نظریں نیچی کرلیں اور بیہودگی کے ساتھ اس کو گھورنے سے باز رہیں۔" آپنے پہلے تو یہ کیا کہ سورۂ نور کا مستثنیٰ کاٹ کرلائے اور اس کا قلم سورہ احزاب میں پیوند کیا۔ لیکن اسکے بعد بھی جب بات نہیں بنی تو سورہ نور کی آیت کے تمام بخیے اُدھیڑ ڈالے۔ سورہ نور کی آیت کی آسمانی ترتیب یوں ہے۔

قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذلك ازکی لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون۔ وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا

ماظھر منھا۔ لیکن آپ آیت کی ترتیب یوں کر دیتے ہیں ولا یبدین زینتھن الا ماظھر منھا (فان ظھر منھا شیٔ) فقل للمومنین یغضوا من ابصارھم یعنی بے تکلف اصلی حکم کو فرع اور مقدم کو موخر کر دیتے ہیں۔ اگر اپنے نظریات کو ثابت کرنے کے لیے اس طرح آیات کی قلب ماہیت اور قرآن کی اصلاح جائز ہے تو دنیا کی کوئی غلط سے غلط بات بھی ثابت ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میں حیران ہوں کہ آپ کا دل اس بیدردانہ تصرف پر راضی کیسے ہوا اور دماغ اس پر مطمئن کیسے ہو گیا!![۱]

---

[۱] معاف کیجیے گا، آپکی یہ ساری بحث پڑھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ "شعر مرا بمدرسہ کہ برد" زندگی کے حقیقی مسائل اور ان کے ساتھ احکام شریعت کے ربط و تعلق کو نظر انداز کر کے جب لوگ عبارات احکام کی لغوی اور صرفی و نحوی اناٹومی میں منہمک ہو جاتے ہیں تو اصول قانون اور روح قانون سے وہی بیگانگی رونما ہوتی ہے جسکا ثبوت آپنے اپنی اس بحث میں پیش کیا ہے۔ آپنے یہاں تین اعتراضات بیان فرمائے ہیں: (۱) سورۂ نور اور سورۂ احزاب میں جو احکام الگ الگ بیان ہوئے ہیں انکو ملا کر تونے ایک کر دیا۔ (۲) الا ماظھر کا استثناء جو ابداء زینت کی نہی سے متعلق تھا اسے ادنائے جلباب کے امر سے متعلق کر دیا اور پھر غض بصر کے حکم کو یہاں لا کر چسپاں کیا۔ (۳) الا ماظھر منھا میں خود بخود ظاہر ہو جانے والی زینت کے ظہور کو معاف کیا گیا تھا، مگر تونے اس سے بضرورت چہرہ کھولنے کی اجازت نکال لی۔ آپکو ان تینوں باتوں پر سخت تعجب ہے، مگر مجھے آپ کے تعجب پر تعجب ہے۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جو احکام زندگی کے کسی ایک شعبہ یا معاملہ سے تعلق رکھتے ہوں، خواہ وہ کتنے ہی مختلف مقامات میں پھیلے ہوئے ہوں، قانون مرتب کرنے کیلیے ہمیں ان سب کو ملا کر ایک مجموعہ بنانا پڑیگا۔ مثال کے طور پر دیکھیے سورۂ نساء میں بیاہی ہوئی عورتوں سے نکاح حرام قرار دیتے ہوئے صرف ان عورتوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جو جنگ میں پکڑی ہوئی آئیں۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ اور سب قسم کی محصنات حرام ہیں۔ لیکن دو سورتوں کے بعد سورۂ ممتحنہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ مسلمان ان عورتوں سے بھی نکاح کر سکتے ہیں جو اپنے کافر شوہروں کو چھوڑ کر دارالکفر سے دارالاسلام میں آجائیں۔ ایک فقیہ جب قانون مرتب کرنے بیٹھے گا تو اسے ان دونوں آیتوں کو یکجا کرنا ہوگا، مگر آپ پہلے تو اس پر کشتی درچین و ملاح درفرنگ کی پھبتی کسینگے اور پھر شائد آپکا دوسرا اعتراض یہ ہوگا کہ قرآن نے تو صرف الا ما ملکت ایمانکم کہا تھا اور تم اس پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۵ پر دیکھیے)

پھر یہ غور فرمائیے کہ عورت کا چہرہ کھولنے کے تمام ضروری اور ناگزیر مواقع، جو آپ نے بیان فرمائے ہیں، ایسے ہیں جن میں اسکے چہرہ کو نہ صرف آپ نے دیکھنے کی اجازت دی ہے بلکہ اس پر تفصیلی نگاہ، ڈالنے کا فتویٰ دیدیا ہے۔ شلاً کوئی عورت کسی طبیب کے زیر علاج ہو، یا کسی مقدمہ میں قاضی کے سامنے بحیثیت گواہ یا بحیثیت فریق پیش ہو، یا اس کا منگیتر دیکھنا چاہے۔ اگر ان مواقع میں کسی عفت مآب، نے حقیقی ضرورت سے چہرہ بے نقاب

بقیہ حاشیہ صـ ۲۸۴ :۔ والمومنٰت المہٰجرات کا فقرہ اپنی طرف سے اضافہ کر رہے ہو۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ میں اصحاب ظواہر کا پیرو نہیں ہوں کہ ایک حکم جن الفاظ کے ساتھ ایک خاص موقع پر آیا ہو اسکو اور اسکے الفاظ کو صرف اسی موقع کے لیے مخصوص سمجھوں۔ میرے نزدیک قیاس فی الشرع جائز ہے۔ میں حکم کی علت سمجھنے کی کوشش کرونگا اور جب علت میری سمجھ میں آجائیگی تو جہاں جہاں وہ علت پائی جائیگی وہاں حکم کی روح کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے جاری کرونگا۔ میری رائے یہ ہے کہ ابدار زینت سے منع کرنیکی وجہ محض اسکا موجب فتنہ ہونا ہے اور ادنائے جلباب کا حکم بھی اسی لیے دیا گیا ہے کہ چہرہ کھولنا فتنہ کا موجب ہے۔ اب اگر خود ظاہر ہو جانے کو پہلی صورت میں قابلِ معافی قرار دیا گیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ دوسری صورت میں بھی وہ قابلِ معافی نہ ہو۔

تیسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ میں اپنی نظر الّا ما ظہر منہا کے الفاظ تک ہی محدود نہیں رکھتا بلکہ اسکی حکمت بھی سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ غور طلب سوال یہ ہے کہ ایک فتنہ انگیز چیز کے خود ظاہر ہونے کو آخر کیوں گوارا کر لیا گیا؟ میرے نزدیک اسکی دو ہی وجہیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ زینت کے خود ظاہر ہونے میں عورت کی طرف سے اظہار زینت کی خواہش نہیں ہوتی اسلیے وہ بری الذمہ ہے۔ دوسرے یہ کہ اس صورت میں عدم اختیار پایا جاتا ہے جو قابلِ معافی ہے۔ یہی دو وجہیں مجھے اس صورت میں بھی نظر آتی ہیں جبکہ ایک عورت اپنی ضروریات زندگی کیلیے گھر سے باہر کام کرنے پر مجبور ہو اور اپنے کام کے سلسلے میں کسی وقت اسکو مجبوراً چہرہ کھولنا پڑے۔ اگر ایسی حالت میں وہ رفع ضرورت کیلیے، نہ کہ اپنی شکل دکھانے کی خاطر، مجبوراً چہرہ کھولتی ہے تو میرے نزدیک وہ اسی طرح قابلِ معافی ہے جس طرح زینت کے خود ظاہر ہونے کی صورت میں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ غض بصر کا حکم جن مواقع کیلیے دیا گیا ہے ان میں سے ایک موقع یہ بھی ہے۔ لیکن اگر آپ اس سے اختلاف رکھتے ہیں تو آپکو اختیار ہے کہ ایسی صورت جب پیش آئے تو غض بصر نہ کریں۔ ا۔م

کیا اور ڈاکٹر یا قاضی یا امیدوار نکاح نے بفحوائے یغضوا من ابصارھم نگاہیں نیچی کرلیں تو اس جلوہ نمائی کا فائدہ کیا؟ وہ تو اصل مقصد ہی فوت ہوگیا! اسکے علاوہ حقیقی ضرورت کی کوئی اور مثال آپ نے پیش نہیں کی ہے اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ اس میں آپ کا یہ فتویٰ غضِ بصر چلے گا یا نہیں۔

اصل یہ ہے کہ سورۂ نور اور سورۂ احزاب کی آیتوں میں پردے سے متعلق آپ نے جو احکام پائے ان میں آپ کو ایک قسم کا تخالف نظر آیا۔ سورۂ نور میں مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے غض بصر اور عدم ابداء زینت کا حکم ہے اور احزاب میں صاف صاف گھروں کے اندر خلوت گزیں رہنے اور باہر نکلتے وقت نقاب اور گھونگھٹ نکالنے کا حکم ہے۔ علاوہ ازیں سورۂ نور میں ابداء زینت کی ممانعت کے ساتھ الا ما ظہر منہا کا استثناء بھی تھا جس سے بعض مفسروں اور حنفی مجتہدوں نے چہرہ اور ہاتھ مراد لیا ہے اور سورۂ احزاب اس قسم کے قیود و مستثنیات سے خالی تھی۔ ان کے علاوہ بعض اور مخصوصات بھی تھے مثلاً سورۂ نور میں صرف ضرب خمار ہے اور احزاب میں ادنائے جلباب۔ مگر اس سے آپ نے تعرض نہ کیا۔ اب ان مضطرب اور بظاہر متضاد باتوں میں آپکو تطبیق دینی تھی۔ پہلی مشکل یہ سامنے آئی کہ غضِ بصر اور نقاب ایک ساتھ نہیں چل سکتے تھے۔ نقاب اور گھونگھٹ کی موجودگی میں غضِ بصر بالکل غیر ضروری ہے۔ پھر دوسری مشکل یہ پیش آئی کہ الا ما ظہر منہا کی رو سے چہرہ (حسب تحقیق علمائے احناف) کھولا جا سکتا تھا اور حکم ادنائے جلابیب اس سے مانع تھا۔ ان ساری مشکلوں کو آپ نے یوں حل کیا کہ سورۂ احزاب کے ادنائے جلابیب کو آپ نے عورت کے لیے اصلی قاعدہ ٹھیرایا اور سورۂ نور کے الا ما ظہر منہا کو اس کے اصلی مستثنیٰ منہ سے کاٹ کر لائے اور اس میں پیوند کر کے اسکو عند الضرورت چہرہ کھولنے سے متعلق قرار دیا۔ رہ گیا غضِ بصر کا حکم سو وہ حکم حجاب اور عند الضرورت چہرہ کھولنے کی اجازت کے ساتھ کچھ غیر ضروری سا ہو رہا تھا تو آپ نے یہ پٹی ان آنکھوں پر باندھ دی جن سے اندیشہ تھا کہ عفت مآب خواتین کو گھور گھور کر دیکھینگی۔ باقی رہ گیا ضرب خمار کا معاملہ یا عورتوں کیلیے غضِ بصر کا حکم تو انکا نہ تو کوئی موزوں محل معلوم ہوا اور نہ آپکو ان سے تعرض کی چنداں ضرورت تھی۔ توفیق مختلفات کی اس عجیب و غریب محنت پر میں آپکو داد دیتا ہوں لیکن نتیجہ سے نہ تو میں متفق ہوں اور نہ اس پر آپکو مبارک باد دے سکتا ہوں[1]

[1] توفیق مختلفات اور تطبیق متعارضات اہل مدرسہ کے مشاغل ہیں اور اپنی کے مذاقِ بحث سے یہ چیز مناسبت رکھتی ہے۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۷ پر دیکھئے)

آپ نے الا ما ظہر منھا کے ٹکڑے پر محض بعض مفسرین اور صاحب احکام القرآن وغیرہ کے اقوال کی روشنی میں غور کیا - خود اپنے طور پر اسکے سیاق و سباق اور الفاظ تالیف کی روشنی میں شاید غور نہیں فرمایا - ورنہ ایک بالکل غلط عمارت کی تعمیر میں آپ کی یہ ساری جد و جہد ضائع نہ جاتی - الا ما ظہر منھا مستثنیٰ ہے - اس کا مستثنیٰ منہ زینتھن ہے - زینت اور سامانِ زینت میں سے جو چیز علحدہ کی جائیگی وہ زینت اور سامانِ زینت کے قبیل سے ہوگی - ہاتھ اور چہرہ کیسے ہو سکتی ہے - چہرہ زینت نہیں ہے - وہ اعلیٰ ترین اور اشرف ترین حصہ جسم ہے - اسکو موضع زینت (جیسا کہ ابو بکر جصاص نے نکتہ آرائی فرمائی ہے) کی حیثیت سے بھی چنداں اہمیت حاصل نہیں - وہ اپنی جمال آرائیوں کے لیے زیب و زینت کا محتاج کب ہے !

بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

اس بارہ میں صحیح مذہب وہی ابن مسعود اور حسن بصری رحمہما اللہ کا ہو سکتا ہے یعنی اس سے زینت لباس ظاہر مراد ہے - اس مذہب پر صاحب احکام القرآن نے جو ایراد کیا ہے وہ بالکل بے بنیاد ہے - وہ فرماتے ہیں وقول ابن مسعود فی ان ما ظھر منھا ھو الثیاب لا معنیٰ لہ لانہ معلوم انہ ذکر الزینۃ والمراد العضو الذی علیہ الزینۃ ، الا تری ان ما سائر ما تتزین بہ من الحلی ..... یجوز ان تظھر للرجال اذا لم تکن ھی لا یستھا - ابن مسعود جو اس سے زینت لباس ظاہر مراد لیتے ہیں، یہ بالکل بے معنی بات ہے - ہر چند استعمال لفظ زینت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۶ - میرے سوچنے کا انداز یہ نہیں ہے - میں جب ایک طرف زندگی کے عملی مسائل کو اور دوسری طرف قانون کے احکام کو رکھکر دیکھتا ہوں تو مجھے احکام میں کوئی تعارض نظر نہیں آتا کہ تطبیق کی کوشش کروں بلکہ مجھے ایک ایک عملی پہلو پر ایک ایک حکم صاف منطبق ہوتا نظر آتا ہے - تعارض اگر ہے تو احکام میں نہیں بلکہ ہماری اپنی زندگی کے مختلف حالات میں ہے اور شارع نے صرف اتنا کیا ہے کہ تمام حالات میں انسان کو ایک ہی لکڑی سے نہیں ہانکا - ا - م

ہوا ہے لیکن مراد اس سے وہ عضو ہے جس پر زینت ہوتی ہے۔ کیونکہ محض زینت دکھانے کی ممانعت کیوں ہوگی؟ اگر زیور عورت کے جسم پر نہ ہو تو وہ بے تکلف ہر مرد کو دکھا سکتی ہے"۔ لیکن ان نیک آدمی سے کوئی پوچھے کہ اسی آیت میں لیعلم ما یخفین من زینتھن میں زینت سے کیا مراد ہے؟ کیا پاؤں؟ اگر پاؤں مراد ہیں تو کیا ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن کے معنی یہ ہوں گے کہ عورتیں اپنے پاؤں زمین پر نہ ماریں کہ جو پاؤں وہ چھپائے ہوئے ہیں وہ ظاہر ہوں۔ کیا ابن مسعود رحمہ اللہ کی بات اگر بے معنی ہے تو قاضی صاحب کا یہ ارشاد کچھ بامعنی ہے![1]

پھر یہ کس درجہ عجیب بات ہے کہ حکم یہ دیا جائے کہ مرد اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور عورتیں اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور پھر اسی سے بالکل متصل یہ حکم دیا جائے کہ عورتیں اپنی زینت ظاہر نہ کریں، الا ما ظہر منہا

---

[1] یہ تو بڑا ہی کمزور استدلال ہے۔ ایسا کمزور استدلال پیش کرکے تو قاضی ابوبکر کے بجائے خود آپ ہی "نیک آدمی" ثابت ہوگئے ہیں۔ آپ نے قاضی ابوبکر کی بات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی اسلیے اعتراض بھی بغیر سمجھے بوجھے کردیا۔ قاضی صاحب کا منشا یہ ہے کہ اظہار زینت کی ممانعت سے مقصود صنفی تحریک کو روکنا ہے، اور صنفی تحریک بجائے خود اُس سامان سے نہیں ہوتی جو زینت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے بلکہ اس حالت میں ہوتی ہے جبکہ عورت اس سے مزین ہو۔ زیور یا خوش نما لباس اگر عورت کے جسم پر نہ ہو تو اسے دیکھ کر کسی کے جذبات بھی حرکت میں نہ آئینگے۔ لہذا شارع نے اظہار زینت کی جو ممانعت کی ہے اس سے مقصود نفس زینت کا اظہار نہیں بلکہ اس جسم یا حصۂ جسم کا اظہار ہے جو زینت سے مزین ہو۔ پھر اگر الا ما ظہر منہا کا استثناء آراستہ و مزین ہونے کی حالت سے تعلق رکھتا ہے تو غیر مزین ہونے کی حالت میں محض سادہ جسم سے تو وہ بدرجۂ اولی متعلق ہوگا۔ رہی آیت ولا یضربن بارجلھن الخ جسے آپ نے اعتراضاً پیش فرمایا ہے تو اس میں بھی حکم امتناعی کا مرجع بجائے خود پازیب، چھاجن اور چوڑیوں کا وجود نہیں ہے بلکہ خود عورت کا وجود ہے جو ان چیزوں کو پہنے ہوئے ہو۔ ظاہر ہے کہ ان چیزوں کی آواز صرف اسی صورت میں محرک جذبات ہوتی ہے جبکہ کوئی عورت انہیں پہنے ہوئے چل رہی ہو، ورنہ بجائے خود ان چیزوں کی جھنکار میں کوئی شے موجب تحریک نہیں ہے۔ پس شارع کا منشا لیعلم ما یخفین من زینتھن کہنے سے یہ نہیں ہے کہ زمین پر پاؤں مارنے سے پازیب وغیرہ کے موجود ہونے کا علم ہو جائیگا، بلکہ مدعا یہ ہے کہ اس آواز کو سن کر پازیب والی کی طرف توجہات منعطف ہونگی اور سامعہ کے ذریعہ سے وہی اثرات مترتب ہونگے جو باصرہ کے ذریعہ سے عورت کو مزین دیکھ کر ہوتے۔ ا - م

"مگر جو ظاہر ہو جائے"، اور ابو بکر جصاص اور ان کے اصحاب و اخوان ماظہر منہا سے چہرہ اور ہاتھ کو مراد لیں۔ اگر چہرہ اور ہاتھ مستثنیٰ ہیں تو نگاہیں نیچی کرنے کی ضرورت! غضِ بصر کا اصلی مقصود تو یہی ہو سکتا ہے کہ اجنبی نگاہیں چہروں سے ہٹ جائیں اور چہرہ ہی کو ان حضرات نے مستثنیٰ کر لیا۔

مقصد کے اعتبار سے بھی آپ کا مضمون کچھ بے فائدہ معلوم ہوتا ہے۔ جن "تجدد نوازوں" یا "یرقان زدہ" کے مریضوں کو آپ نے اس میں مخاطب کیا ہے ان کے لیے آپ کی تمام حصار بندیوں کے باوجود کافی وسعت باقی ہے۔ ہندوستان کے تجدد نواز آپ کے اس فتوے پر قانع ہو جائینگے کہ عند الضرورت چہرہ کھولنے کے باب میں شارع نے کوئی قطعی حکم نہیں دیا ہے۔ اس معاملہ میں تمام تر قاضی و مفتی خود عورت ہے۔ آپ نے اس منزل تک انکو پہنچا دیا۔ اب جو قباحتیں چند بند رہ گئے ہیں ان کا فیصلہ انشاء اللہ زمانہ کی بڑھتی ہوئی ضروریات کی کشاکش اور نسوانی فقاہت کی مقراضِ تیز کر دے گی[1]

[1] کسی شخص کو ماخوذ کرنے کا یہ عجیب طریقہ ہے کہ اگر اسکی عبارت میں ثبوت جرم کی کافی گنجائش نہ ہو تو قطع و برید کر کے عبارت کو فرد قرار دادِ جرم کے مطابق ڈھال لیا جائے۔ فاضل تنقید نگار نے دو جگہ مجھ پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ میں استثنائی صورتوں میں مطلق عورت کو قاضی و مفتی قرار دیتا ہوں۔ حالانکہ خود انہوں نے میری عبارت سے جو فقرے نقل کیے ہیں ان میں یہ الفاظ موجود ہیں: "ایک مومن عورت جو خدا اور رسول کے احکام کی سچے دل سے پابند رہنا چاہتی ہے اور جس کو فتنے میں مبتلا ہونا منظور نہیں ہے"۔ مطلق عورت اور مومن عورت میں جو عظیم الشان فرق ہے ایک صاحب علم آدمی اس سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ مگر اس قید کو اطلاق سے بدلنا شاید اسلیے ضروری سمجھا گیا کہ اس تحریف کے بغیر الزام ثابت نہ ہو سکتا تھا۔

رہا یہ اندیشہ کہ بہانہ طلب منافقین میری تعبیر قانون سے ناجائز فائدہ اٹھائینگے، تو میں اسکو قابل التفات سمجھتا ہوں منافق کے لیے کون دروازہ بند کر سکتا ہے؟ وہ اس کا محتاج کب ہے کہ میں یا آپ یا کوئی اور شخص اسکے لیے راستہ کھولے اسکے لیے تو ساری شریعت گنجائشوں سے بھری پڑی ہے۔ جدھر سے چاہے نکل بھاگے۔ وہ چاہے تو تمام عمر زکوٰۃ نہ

(بقیہ حاشیہ ص ۲۹۰ پر دیکھیے)

یہ عریضہ میں نے محض اس اضطراب کی طرف اشارہ کرنے کے لیے لکھا ہے جو آپ کے مضمون میں موجود ہے۔ باقی رہی اصل مسئلہ کی تحقیق، سورۂ احزاب اور سورۂ نور کے احکام کی تطبیق و توفیق اور ان کے موقع و محل کی تعیین، قرآن مجید کی روشنی میں اسلامی پردہ کی نوعیت تو ان سوالات پر انشاء اللہ ایک مضمون ترجمان کے لیے جلد لکھوں گا۔ کوئی فقرہ قلم سے تیز نکل گیا ہو تو اسکی معافی چاہتا ہوں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۹ :- دے، کبھی حج نہ کرے، کبھی روزہ نہ رکھے، ہر رات ایک نئی عورت سے نکاح کرے اور صبح طلاق دیدے۔ شریعت کی کونسی حد ہے جس سے نکلنے کا راستہ وہ نہ پا سکتا ہو؟ شریعت کا قانون دراصل اسکے لیے بنایا ہی نہیں گیا ہے۔ یہ تو صرف مومنوں کے لیے بنایا گیا ہے، اور اسی لیے منافقین کے واسطے اس میں ہر طرف راہ فرار موجود ہے۔ اگر ہم قانون کی تعبیر کرتے ہوئے اس خوف کو پیش نظر رکھیں کہ کہیں منافق کو اس میں سے نکل بھاگنے کا راستہ نہ مل جائے، تو اسکے معنی یہ ہونگے کہ ہم اپنی طرف سے قانون میں ان بندشوں کا اضافہ کریں جو شارع نے نہیں رکھی ہیں۔ اور یہ شریعت کی تعبیر نہیں تحریف ہوگی۔ ا۔م

پردہ کے متعلق چند سوالات

["پردہ" پر جو سلسلہ ابھی "ترجمان القرآن" میں شائع ہوا ہے اسے دیکھ کر مولانا امین احسن صاحب کے علاوہ چند اور اصحاب نے بھی اپنے شبہات کا اظہار کیا ہے۔ یہاں انکو سلسلہ وار نقل کر کے مختصر جوابات درج کیے جاتے ہیں]

(۱)

آپ نے نماز باجماعت میں عورتوں کی شرکت کے بارے میں جو روایات نقل کی ہیں انہیں دیکھ کر اندیشہ ہوتا ہے کہ آزادی نسواں کے حامی ایک نئی تحریک نہ شروع کر دیں کہ عورتوں کو شریعت نے تو مسجد میں حاضر ہونے اور نماز باجماعت میں شریک ہونے کی اجازت دی ہے مگر پرانے خیال کے لوگوں نے انہیں روک رکھا ہے، لہذا اب عورتوں کو مسجد ہی میں نماز پڑھنی چاہیے۔ نیز آپ نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کی خواتین کو ساتھ لے کر عیدگاہ تشریف لے جایا کرتے تھے۔ کیا اس کا نتیجہ نہ ہوگا کہ ایک اور تحریک عیدگاہوں میں خواتین کے اجتماع کی اٹھے گی، برائے نام پردہ دار اور کھلم کھلا بے پردہ عورتوں کے جمگھٹے عیدگاہوں میں لگینگے اور یاد خدا کے بجائے لوگ آنکھیں سینکنے اور نئے تعارف پیدا کرنے کے لیے وہاں جمع ہونگے؟ یہ محض خیالی اندیشہ نہیں ہے بلکہ اب سے دو سال قبل بمبئی میں انہی احادیث اور دلائل پر مولانا . . . . صاحب نے نماز عید میں عورتوں کے اجتماع پر زور دیا، اور اس معاملہ میں حافظ . . . . صاحب، جو ایک مقامی اخبار کے ایڈیٹر ہیں اور دس سال پہلے سے مسلمانان بمبئی میں بے پردگی کی بیماری پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں، ان کے ہمنوا ہوئے اور دونوں صاحبوں

کی کوشش سے ایک نئی عیدگاہ اہلحدیث قائم کی گئی جہاں خوب آراستہ و مزین ہو کر خواتین کرام نماز پڑھنے کے لیے تشریف لے گئیں۔ اس حرکت کے جو کچھ اثرات ہوئے وہ ہماری یاد میں ابھی تازہ ہیں۔

آپ نے جنگ میں عورتوں کی شرکت اور نرسنگ کے متعلق جو روایات نقل کی ہیں وہ شائد احکام حجاب سے پہلے کی ہیں، یا اس وقت کی ہیں جب مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ آج ان روایات کو پیش کرنیکا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لوگ ان سے اپنے خیالات کی تائید میں استدلال کرینگے جنکے نزدیک تیمارداری اور مرہم پٹی کے لیے جوان و خوبصورت نرسوں کی سب سے زیادہ ضرورت اسلیے ہے کہ ان سے جذبات قلبی کو تسکین ہوتی ہے اور شفا پانے میں مدد ملتی ہے۔

نیازمند

یوسف حاجی مکی۔ از بمبئی

جواب

جو سوالات آپنے کیے ہیں ان کے متعلق پہلے یہ امر ذہن نشین کر لیجیے کہ دنیوی قوانین کے برعکس دینی قانون صرف ان لوگوں کے لیے بنایا جاتا ہے جو اہل ایمان ہوں اور جنکے اندر اس کے احکام کی اطاعت کا اندرونی جذبہ موجود ہو۔ ورنہ جو لوگ عناد اور عناد رکھتے ہوں اور جنہیں دینی قانون کے مقاصد ہی سے اتفاق نہ ہو، ان کو آخر کس نے مجبور کیا ہے کہ وہ خواہ مخواہ اس دین کے اندر ہی رہیں جسکے احکام کے مقصد و مدعا سے انہیں اتفاق نہیں ہے۔ قانون کے الفاظ سے فائدہ اٹھا کر مقصد قانون کے خلاف کام کرنے کی گنجائش نکالنے کی ضرورت تو صرف دنیوی قوانین کے معاملہ میں پیش آتی ہے کیونکہ وہ محض حکومت کے خارجی دباؤ سے انسانوں پر مسلط کیے جاتے ہیں۔ رہا دینی قانون تو اس کے معاملہ میں اسکی کیا حاجت ہے۔ جو اس کے احکام کی اسپرٹ کو قبول نہ کرنا چاہے اسکے لیے پورا موقع ہے کہ اس دین کو ماننے سے انکار کر دے۔

مسجد میں عورتوں کے جانے کے متعلق جو احادیث میں نے نقل کی ہیں اور انکی جو تشریحات

کی ہیں انہیں آپ پھر پڑھیں۔ ان میں یہ بات صاف موجود ہے کہ عورتوں کا وہاں جانا پسندیدہ نہیں ہے اور ناجائز بھی نہیں۔ اگر نہ جائیں تو بہتر ہے۔ اگر جانا چاہیں تو روکا نہ جائے۔ اور یہ منع نہ کرنیکا حکم بھی اس صورت میں ہے جبکہ عورتیں چند شرائط کی پابندی کریں، یعنی بن ٹھن کر اور خوشبو لگا کر نہ جائیں، ایسے زیورات نہ پہنیں جنکی آواز ہو، صرف صبح اور عشا کے وقت جائیں، مردوں کی صفوں کے پیچھے کھڑی ہوں اور امام کے سلام پھیرتے ہی اٹھ جائیں۔ ان باتوں کو ملحوظ رکھ کر غور کیجیے کہ آزادی نسواں کا وہ حامی کس قدر بے ایمان ہوگا جو "عورتوں کو مسجد ہی میں نماز پڑھنی چاہیے" کا دعویٰ لے کر اٹھے گا اور اس کے لیے جہاد کرے گا۔

عیدگاہ میں عورتوں کے جانے کے متعلق آپنے جو سوال کیا ہے اسکی بھی وہی نوعیت ہے جو پہلے سوال کی ہے۔ سنت سے جو کچھ ثابت ہے وہ پردہ دار سادہ اور غیر مزین خواتین کا عیدگاہ میں جانا اور مردوں کے مجمع سے الگ جمع ہونا ہے۔ اور آپ سوال کر رہے ہیں "برائے نام پردہ دار اور کھلم کھلا بے پردہ عورتوں کے عیدگاہ میں جمع ہونے" کے متعلق۔ جو لوگ وانتم سکاریٰ کو چھوڑ کر صرف لاتقربوا الصلوٰۃ کے حکم کی اطاعت کرنا چاہتے ہوں ان سے تو یہی عرض کیا جائیگا کہ آپ کو آخر عمل بالقرآن کی حاجت ہی کیا پیش آئی ہے۔

جنگ میں عورتوں کی شرکت صرف ابتدائے اسلام ہی میں نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر عہد تک اور خلفائے راشدین کے دور میں بھی ثابت ہے لہذا جو استدلال آپ فرما رہے ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔ البتہ یہ بات صاف ہے کہ خدمات جنگ میں عورتوں کے حصہ لینے کی غرض اور کیفیت اسلامی نقطۂ نظر سے اُس نوعیت کی نہیں ہے جو مغربی نقطۂ نظر سے ہے۔ آپ میری عبارات کو پھر پڑھیں۔ میں نے صرف واقعات ہی نہیں بیان کیے ہیں بلکہ ان واقعات میں قانون کی جو اسپرٹ پائی جاتی ہے اسکی بھی تشریح کر دی ہے۔

اس سلسلہ میں ایک بات اور عرض کر دینا چاہتا ہوں۔ جب آدمی کو قانون کے اصول اور ضوابط بیان کرنے ہوں تو اس کا فرض ہے کہ جو کچھ اصل مآخذ سے ثابت ہو اُسے بے کم و کاست بیان کر دے اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ افراط یا تفریط پسند کرنے والوں کی غلط تعبیرات کے خوف سے اصل قانون ہی میں کتر بیونت کرنے لگے۔ میں نے جو کچھ قرآن اور حدیث میں پایا ہے اور جو کچھ اس سے سمجھا ہے اسے جوں کا توں رکھ دیا ہے۔ اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس قانون کی اسپرٹ کیا ہے، اسکے مقاصد کیا ہیں، اس کے حدود میں کمی اور بیشی کس اصول پر ہوتی ہے۔ ان باتوں کے بیان کرنے میں میں نے انتہا پسند مخالفین پردہ اور انتہا پسند حامیان پردہ، دونوں کو نظر انداز کر کے اصل قانون جیسا کچھ ہے اسی کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس کے بعض اجزاء کو چھوڑ کر بعض اجزاء الگ کر کے نکال لے اور حسب منشا ان سے نتائج نکالنے لگے تو اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے۔

(۲)

آپ کے ان حالیہ جامع مضامین کے مطالعہ کا مجھکو شرف حاصل رہا ہے جن میں جناب نے پردہ اور نکاح و سفاح پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ دوران مطالعہ میرے ذہن ناقص میں چند شبہات ناشی ہوئے ہیں جن کا میں بغرض استعداد نہ کہ بطور اعتراض جناب کے سامنے ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ امید کہ جناب کا جواب میرے طمانیت قلب کا باعث ہوگا۔

۱۔ جہاں کہیں احتمالِ فتنہ تھا عورتوں کو غضِ بصر، کتم ستر و زینت کے احکام دیے گئے ہیں۔ لیکن عورتوں کو ان کے غلاموں کے سامنے اظہار زینت کی اجازت کیوں دیگئی ہے؟ غلاموں کے سامنے اظہار زینت ایک عظیم فتنہ کا موجب ہو سکتا ہے۔ باپ، بھائی اور بیٹے کے برعکس عورتوں کو بعد عتاق اپنے غلاموں سے نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے لہذا مذکور الصدر رشتہ داروں کے برعکس غلام بعد عتاق نامحرم ہو جاتے ہیں۔

۲- حُرّہ اور امۃ کے ستر میں فرق رکھا گیا ہے حالانکہ باعتبار ساخت جسمانی اور صنفی جذبات ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جس طرح ایک آزاد عورت کی عریانی باعث فتن ہو سکتی ہے اُسی طرح ایک لونڈی کی عریانی بھی فتنہ کا موجب بن سکتی ہے۔

۳- اگر لونڈیوں کا ستر کام کاج میں سہولت پیدا کرنے کے لیے آزاد عورتوں کے ستر سے مختلف رکھا گیا ہے تو کیا اس دَور میں جبکہ شرعی لونڈیوں کا وجود اس صفحۂ ہستی پر مفقود ہے ماماؤں کو باغراض سہولت لونڈیوں کا ستر اختیار کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے؟

۴- اسلام میں مخنثیات اور شریف عورتوں کے لباس میں فرق بتلایا گیا ہے کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ دورِ رسالتؐ اور عہدِ راشدہ میں مملکت اسلامی میں مخنثیات جیسے رذیل طبقہ کا وجود روا رکھا گیا تھا۔

۵- ہر مرد کو بوقت واحد چار عورتیں نکاح میں رکھنے کی اجازت ہے۔ لیکن لونڈیوں کی صورت میں تعداد کا تعین نہیں کیا گیا ہے۔ جہاں چار عورتوں سے نکاح کی اجازت دے کر ذہنی آوارگی کا انسداد کیا گیا ہے، لونڈیوں کی اَن گنت تعداد سے تمتع کی اجازت دیکر ذہنی آوارگی کا باب کیوں وا کیا گیا ہے؟ خصوصاً لونڈیوں کے قابل بیع و شریٰ ہونے سے شبہات تقویت پاتے ہیں۔

حبیب اللہ فاروقی - حیدر آباد - دکن

جواب

(۱) شریعت زندگی کے صرف ایک پہلو کو نہیں دیکھتی بلکہ تمام پہلوؤں پر یکساں نگاہ رکھتی ہے۔ اخلاق کی حفاظت اور فتنوں کا استیصال ہی اسکے پیش نظر نہیں ہے بلکہ اسکے ساتھ یہ بھی ملحوظ خاطر ہے کہ معاشرت کا دائرہ انسان کے لیے تنگ نہ ہو جائے۔ غلام اور خادم معاشرت کے جزء ہوتے ہیں

ان سے خانگی کام کاج میں رات دن سابقہ پیش آتا ہے۔ اخفائے زینت کا اتنا اہتمام عورتوں کے لیے غیر ممکن ہے کہ جن لوگوں سے ہر وقت کا سابقہ ہو ان سے بھی اخفا کر سکیں۔ پھر یہ لوگ طبعاً اپنے آقاؤں سے اس قدر دبے ہوئے ہوتے ہیں کہ ان سے فتنہ کا احتمال بہت ہی کم ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے گھر کے مردوں کے ساتھ ساتھ غلاموں اور تابعین غیر اولی الاربۃ من الرجال کو بھی اخفائے زینت کے حکم سے مستثنیٰ کیا ہے۔ یہ استثناء عام حالات کے لیے ہے۔ البتہ اگر کوئی صاحب خانہ کسی خاص غلام یا تابع مرد کے حالات کو مناسب نہ پائے تو یہ بات اسکے اختیار تمیزی پر ہے کہ اسکو استثناء سے خارج کر دے۔ مرد کو خانگی زندگی میں قوام کا منصب دیا ہی اسی لیے گیا ہے کہ وہ انفرادی حالات میں قانون کے منشا کو پورا کرنے کے لیے جو تدبیر مناسب سمجھے اختیار کرے۔

(۲) آزاد عورت اور لونڈی کے ستر میں جو فرق رکھا گیا ہے وہ بھی انہی اسباب سے ہے جو اوپر بیان ہوئے۔ ستر کے حدود کو کم کرنے کے معنی عریانی کے نہیں ہیں۔ صرف اتنا حصۂ جسم کھولنے کی اجازت لونڈی کو دی گئی ہے جتنا خانگی فرائض انجام دینے کے لیے ضروری ہے۔ مثلاً آٹا گوندھنے کے لیے اسکو ایک حد تک اپنی باہیں کھولنی ہی پڑینگی۔ یا گھر کا فرش دھونے کے لیے اپنے پائنچے کسی حد تک ٹخنوں سے اٹھانے ہی پڑینگے۔ مگر اسکے معنی یہ نہیں ہیں کہ ضرورۃً جن حصوں کو کھولنے کی اجازت دی گئی ہے انہیں عادۃً کھلا ہی رکھا جائے، یا قصداً حد ضرورت سے زیادہ کھولا جائے۔

(۳) جو ضرورتیں لونڈیوں سے تعلق رکھتی ہیں وہی خدمت پیشہ عورتوں سے بھی متعلق ہیں اسلیے میں سمجھتا ہوں کہ ان کے لیے بھی شریعت میں وہی سہولت ہے جو لونڈیوں کے لیے ہے۔ لیکن ان کو بھی یہی ہدایت کرنی چاہیے کہ بے حیا عورتوں کے سے رنگ ڈھنگ نہ اختیار کریں۔ یہ سہولت ان کو ضروریات پوری کرنے کے لیے دی گئی ہے نہ اس لیے کہ وہ شرم و غیرت کے لباس سے عاری ہو کر گھروں میں فتنے برپا کریں۔ ان باتوں کی نگرانی گھر کے مالک اور اسکی ملکہ کے فرائض میں سے ہے۔

(۴) قاضی بیضاوی کے جس فقرے سے آپکو یہ شبہ ہوا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مغنیات کا طبقہ اسلامی معاشرت کا جزء ہے اور اسلام نے اس طبقہ کو بحیثیت ایک جزو معاشرت کے تسلیم کیا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جاہلیت میں مغنیات جس قسم کے لباس پہنتی تھیں یا غیر مسلم معاشرت میں اس طبقہ کی عورتیں جو لباس پہنتی ہیں، اسلام اپنی پیرو خواتین کو اُس سے روکنا چاہتا ہے۔ اسلام اس کو گوارا نہیں کرتا کہ مسلمان عورت اُس ہیئت میں منظر عام پر پیش ہو جس میں بیسوا عورتیں اور ایکسٹرسیں نمودار ہوا کرتی ہیں۔

(۵) آپکا یہ سوال تفصیل طلب ہے۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ کے "ترجمان القرآن" میں اس پر ایک مستقل مضمون لکھ چکا ہوں۔ یہ مضمون انشاء اللہ عنقریب "تفہیمات" حصہ دوم میں آپ کو مل جائیگا۔ یہاں مختصراً صرف اتنا اشارہ کر دینا کافی ہے کہ لونڈیوں سے تمتع کی اجازت جن تمدنی مصالح کی بنا پر دی گئی ہے وہ تعداد کے تعین سے فوت ہو جاتے ہیں۔ اس امر کا تعین نہیں کیا جا سکتا کہ کس زمانہ اور کس لڑائی میں کتنی عورتیں سبایا کی حیثیت سے دار الاسلام میں آئینگی اور ایک خاص وقت میں مسلمان آبادی کے اندر سبایا کا تناسب کس قدر ہوگا۔ اگر تمتع کی اجازت دینے کا مقصد ہی عورتوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ کے تمدنی خطرات کا سدباب ہے، تو آپ خود غور کیجیے کہ اضافہ کی مقدار کے معین نہ ہونے کی صورت میں تمتع کی حد کا تعین کس طرح کیا جا سکتا تھا۔ جس حکیم نے یہ قانون بنایا ہے وہ بیک چشم نہیں دیکھتا ہے کہ ایک وقت میں معاملہ کے ایک ہی رخ کو دیکھ سکتا ہو۔ اسکی حاوی نگاہ بیک وقت تمام پہلوؤں پر پڑتی ہے، اسی لیے اس سے وضع قانون میں وہ بے اعتدالی صادر نہیں ہوتی جسکے صادر نہ ہونے کی شکایت انسان نے اکثر اس سے کی ہے۔

رہا آپکا یہ شبہ کہ لونڈیوں کی اَن گنت تعداد سے تمتع کرنے کی اجازت ذہنی آوارگی کا دروازہ کھولتی ہے، اور یہ کہ لونڈیوں کے قابل بیع و شری ہونے کی وجہ سے اس کا امکان ہے کہ مالدار لوگ لونڈیاں

خرید خرید کر عورتوں کا ایک پورا بیڑہ فراہم کرلیں اور اپنے گھروں کو عیاشی کا اڈا بنا کر رکھ دیں، تو یہ اور اس نوعیت کے اکثر شبہات عموماً اسی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ معاملہ کا ایک ہی پہلو نگاہ کے سامنے ہوتا ہے اور دوسرے پہلو چھپے رہتے ہیں۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ شارع نے اپنا قانون انسان کی بھلائی کے لیے بنایا ہے اور اس قانون میں جو سہولتیں اور گنجائشیں رکھی ہیں وہ اُن حقیقی ضرورتوں کے لیے رکھی ہیں جو عموماً انسان کو پیش آتی ہیں یا پیش آسکتی ہیں۔ اگر بعض لوگ ان گنجائشوں سے وہ غلط فائدہ اٹھاتے ہیں جسکے لیے دراصل شارع نے یہ گنجائشیں نہیں رکھی تھیں، تو یہ ان کی اپنی نافہمی ہے یا شرارت نفس۔ لیکن اس قسم کی انفرادی غلطیوں کے امکان یا وقوع سے ڈر کر قانون میں ایسی تنگی پیدا کرنا جس سے عام لوگوں کی حقیقی ضرورتیں پوری ہونے میں مشکلات واقع ہوں، کسی حکیم کا کام نہیں ہوسکتا۔ شارع نے لونڈیوں کی غیر محدود تعداد سے تمتع کی اجازت اسلیے نہیں دی ہے کہ ایک ایک مسلمان اپنے گھر میں راجہ اندر بن جائے اور بے شمار عورتوں کے جھرمٹ میں بس رات دن داد عیش ہی دیتا رہے، بلکہ اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ اگر غیر معمولی حالات پیش آجانے کی وجہ سے سوسائیٹی میں عورتوں کی تعداد یکایک بہت بڑھ جائے تو اسکو آسانی کے ساتھ ٹھکانے لگایا جاسکے۔ اس غرض کے لیے کئی صورتیں رکھی گئی ہیں، مثلاً لونڈیوں کے نکاح غلاموں سے کردیے جائیں، لونڈیوں کے نکاح غریب طبقہ کے آزاد مردوں سے کردیے جائیں، لونڈیوں کو آزاد کرکے خود مالک ان سے نکاح کرلیں، اور انہیں صورتوں میں سے ایک صورت یہ بھی ہے کہ مالک آزاد کیے بغیر ہی ان سے تمتع کریں۔ اسی طرح لونڈیوں کی بیع و شریٰ کو جائز کرنے کا مقصد بھی یہ نہیں ہے کہ آوارہ مزاج لوگ محض عیاشی کی خاطر بہت سی لونڈیاں خرید خرید کر جمع کرلیا کریں، اور جب دل بھر جائے تو انہیں بیچ کر دوسرا بیڑہ بھرتی کرلیں۔ بلکہ دراصل یہ سہولت ان ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر دی گئی ہے جو عموماً انسان کو پیش آتی ہیں، مثلاً ایک شخص مفلس ہوگیا ہے اور لونڈی غلام رکھنے کی استطاعت اس میں نہیں رہی ہے، یا اسکے پاس ضرورت سے زیادہ لونڈی غلام جمع ہوگئے ہیں، یا ان

ہیں سے کسی کو وہ پسند نہیں کرتا - کیا ان حقیقی ضرورتوں کو نظر انداز کر کے محض اس خوف سے قانون کا دائرہ تنگ کرنا درست ہو سکتا تھا کہ بعض لوگ ان سہولتوں سے ناجائز فائدہ اٹھائینگے ؟ ایسی خباثتوں کے امکانات تو خود نکاح و طلاق کے قانون میں بھی ہیں - اگر کوئی شریر آدمی "جائز زناکاری" پر اتر آئے تو وہ روز ایک نئی عورت سے چند روپوں پر نکاح کر سکتا ہے اور دوسرے دن اسے طلاق دے کر کسی دوسری عورت کو تلاش کر سکتا ہے - پھر کیا ایسی انفرادی شرارتوں کے خوف سے یہ صحیح ہوگا کہ طلاق اور نکاح کے قانون میں ایسی بندشیں بڑھا دی جائیں جن سے عام لوگوں کی زندگی تنگ ہو جائے ؟